ڈاکٹر نورین رزاق

استاد، شعبۂ اُردو ،لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی جیل روڈ، لاہور

# پنجابی افسانے کی تہذیبی جہات اور دیہی مسائل

**Dr. Noreen Razzaq**
Assistant Professor, Urdu Department,Lahore College for Women University, Jail Road, Lahore.

**Cultural Dimensions And Rural Problems In Punjabi Short Stories**

Rural and Urban Life styles are to some extend similar but different in nature. Some Punjabi short story writers painted various issues of rural atmosphere, traditions, cast system, in justice, economic differences, females issue and other various problems with the help of Plot, characters, atmosphere, and dialogue. In this article an accumulative analysis has been presented that how Punjabi short story writers feel internal and external problem of rural life.
**Keywords:** *Rural, Traditions, Cast System, Atmosphere, dialogue.*

پنجابی افسانہ نگاروں کے ہاں دیہات کی مخصوص تہذیبی فضا اور مسائل کی پیش کش کے حوالے سے مختلف زاویے نظر آتے ہیں۔ ان مسائل کا تعلق کسان، مزارعوں، کمی کمینوں، وڈیروں اور جاگیرداروں کی زندگیوں سے ہے۔ دیہات جہاں خیر کی علامت ہے وہیں یہاں شر کے نمائندے بھی موجود ہیں جس طرح دیہی تہذیب اور شہری تمدن میں فرق ہے اسی طرح یہاں کے ارضی حقائق، حالات، تہذیب و ثقافت، ماحول اور مسائل میں بھی فرق ہے۔ دیہات کے لوگوں کا تعلق دھرتی کے ساتھ گہرا ہے۔ یہاں کے مخصوص مزاج، رسم ورواج اور موسموں کا الگ ذائقہ ہے۔ یہاں بسنے والے سادہ لوح انسانوں کی زندگی دھوپ چھاؤں کا ایسا مرقع ہے جس میں فطرت کے جمال اور جلال کا گہرا رنگ ہے۔ یہاں زندگی فطرت سے قریب ہے لیکن عملی لحاظ سے لوگوں کی مشکلات زیادہ ہیں۔ دیہی معاشرے کی تصویر سیاسی، سماجی اور تہذیبی بنیادوں سے مل کر مکمل ہوتی ہے۔ انفرادی اور اجتماعی رویوں کے تعین میں یہ تمام پہلو اہم ہیں۔ اسی لیے پنجابی افسانہ نگاروں نے دیہات کی مخصوص فضا، بُوباس اور طرزِ زندگی کا عمیق مشاہدہ کر کے عمدگی سے تخلیقی تجربے کا حصّہ بنایا ہے۔ ان افسانوں میں نچلے طبقے کی ذہنی اور معاشی پس ماندگی، جہالت، علم کا فقدان، سماجی میلانات، ریتیں، روایتیں، رواج، متعصب اور تنگ نظری پر مبنی رویے، ضعیف

الاعتقادی، اوہام پرستی، قدامت پرستی، ذات برادری کا نظام، وٹے سٹے کی شادیاں، دیرینہ رنجشیں، نسل در نسل منتقل ہونے والی لڑائیاں، اخلاقی و روحانی اقدار میں تبدیلی، کسان کی دشواریاں، غریب طبقے کا استحصال، عورت کے جنسی، جذباتی اور جسمانی مسائل سمیت کئی اور مسائل موضوع بنے ہیں۔

دیہی معاشرہ ابتدا سے ہی پنجابی افسانے کا موضوع رہا ہے۔ حنیف چودھری لکھتے ہیں:

> ۲۴-۱۹۲۳ء میں ماہنامہ ''پریتم'' اور پھلواڑی کے اجرا کے ساتھ ہی کئی نئے لکھنے والے سامنے آئے اور ان کی کہانیوں کے مجموعے بھی چھپے۔ ہیرا سنگھ درد کا ''کسان دیاں آہیں'' بلونت سنگھ چترتھ کا ''پشپ دی پٹاری'' گیانی کبیر سنگھ کنول کا ''پریت دیا تانگھاں'' مہر سنگھ کا ''چنن ہار'' موہن سنگھ جوش کا ''آزادی دے پروانے'' رام سنگھ کا ''ست ونڈی'' اور کے ایس پنچھی کا ''پھلواڑیاں'' مارکیٹ میں آئے۔ ان تمام مجموعوں کی کہانیوں کے موضوعات یکساں ہیں۔ خصوصاً دیہات سدھار اور سماج سدھار کا رنگ نمایاں ہے۔[1]

دیہی معاشرے میں عورت اور مرد کے الگ الگ کاموں کے دائرے کہیں آپس میں ملتے ہوئے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ عورت مردوں کے ساتھ کھیتوں میں کام کرتی اور جانوروں کو چارہ ڈالتی بھی نظر آتی ہے۔ اس کی دوہری ذمہ داریاں ہیں اس کے باوجود اس کی زندگی اور قسمت کے فیصلے مرد کرتا ہے۔ عورت یک طرفہ فیصلوں کا شکار ہوتی ہے۔ گوٹھوں، دیہاتوں اور قصبوں میں پنچایت اور جرگہ سسٹم رائج ہے۔ جو اکثر وڈیروں کے زیر اثر ہے۔ دیہاتی معاشرے میں صنف نازک کی مظلومیت، بے بسی اور استحصال سب سے اہم مسئلہ ہے۔ یہاں عورت کی کوئی توقیر نہیں ہے۔ وہ قبیح اور مذموم رسموں کی بھینٹ چڑھتی ہے۔ برتنے کی شئے ہے۔ آج بھی بعض دیہاتی علاقوں میں عورت بکاؤ مال ہے۔ وہ جنس ازراں ہے اور جب بکتی ہے تو جنس گراں بن جاتی ہے۔

یہ معاشرہ عورت کے جیتے جاگتے اور زندہ وجود کو تسلیم کرنے سے انکاری ہے۔ عورت کی حیثیت اور وقعت کے حوالے سے ایک مثال دیکھیے:

> ...''آپاں بلے لا چھڈی۔ دوجے جہاج اوہنوں جواب دتا... بلے لا چھڈی... کیہ توں مار دتی؟ ویچ چھڈی... بڑی سیوا کیتی اوہنے۔ جاندی جاندی وی کھیسے بھر گئی میرے... اوہنے جہاج نال گل کیتی تے جہاج اگے گل کیتی... جہاج چنے نُوں آکھدا پیا سی، پنج ہزار

دیندے نیں... صرف پنج ہزار... موٹر سائیکل دا ادھ... ایہ چنگی اے بئی اشرف المخلوقات۔ ایہ تے چوری دی وی نہیں۔"(۲)

جاگیردارانہ معاشروں میں عورت کی حیثیت اشیائے صرف اور منقولہ جائیداد کی طرح ہوتی ہے۔ خاص طور پر کمی کمین عورتوں کا کام مردوں کو رجھانا اور لبھانا سمجھ لیا جاتا ہے۔ غریب طبقے سے تعلق رکھنے والی خوبرو عورت کی مجبوریاں خریدی جاتی ہیں:

"بڑیاں زنانیاں چوھدری ہوراں دے کم لئی رکھیاں۔ پر اوہ کسے کولوں مطمئن نہیں ہوندے، توں جوان ایں، اوہناں دی خدمت کریا کر، اوہ خوش ہو گئے تے مالا مال کر دین گے۔"(۳)

دیہی عورت کے ذہنی اور جذباتی بحران کا ذمہ دار وہ معاشرہ ہے جس کے قوانین انصاف پر مبنی نہیں ہیں۔ اس کی دگر گوں حالت اور صنفی امتیاز کا ذمہ دار وہ جاگیردارانہ کلچر ہے جس میں محدود اور متعصب ذہنیت کے حامل مرد کی اجارہ داری ہے۔ دیہی معاشرے میں رہنے والی عورت جسمانی استحصال کا شکار ہوتی ہے تو بے بسی کی مجسم تصویر بنی خاموش رہتی ہے۔ عورت کی عزت کا دامن تار تار کرنے والا کبھی محبوب کے روپ میں کوئی بھیڑیا، کبھی کسی مسیت کا کوئی ملا اور کبھی کسی وڈیرے کا بیٹا ہوتا ہے۔

"غریبنی دا حسن پنڈ دا چھپڑ ہوندا اے جہیدے وچ جہیدا دل چاہوے تے جدوں چاہوے اپنے ڈنگر ہک کے واڑ دیوتے... غریبنی دی جوانی لاوارث کماد دی پیلی ہوندی اے جہیداں دل کرے لنگھدیاں اک ادھ گنا بھنے، چھوئی لا ہوے۔ آگ توڑ کے پیلی وچ سٹے تے انند نال گنا چوپدا اپنے راہ پوے۔"(۴)

"پر نمبردار کس طرح جاندا۔ اوہنے تے اج ولایتی شراب وی پیتی سی۔ اوہ اگے ودھیا، تے تاجی نوں اپنی ہک نال لاون لگا۔ تاجی بُوہے ول نسی۔ او بند سی... اوہ اوہدی جوانی دی مورت اُتے اپنے دل دی سیاہی ملنا چاہندا سی... تے پھیر جدوں لوک نمبردار نُوں نال لے کے تاجی نوں پنڈ وچوں کڈھن آئے تے... اندر تاجی نہیں سی تاجی دی لاش سی۔(۵)

دیہی زندگی میں کنواری اور بیاہتا عورت الگ الگ مسائل کا شکار ہے۔ عورت طے شدہ سانچوں اور محدود

دائروں کی قید میں جکڑی ہوئی ہے۔ مرد وزن کی تفریق پر مبنی معاشرے میں عزت و ناموس کے نام نہاد دعوے داروں کے پاس پہلا اور آخری حل یہ ہوتا ہے کہ غیرت و حمیت کو بنیاد بنا کر عورت کی جان لے لی جائے۔ قصور وار چاہے مرد ہو ہدفِ ملامت عورت ٹھہرتی ہے۔ دیہی عورت پر ظلم کی سب سے کریہہ صورت یہ ہے کہ وہ بدکاری کے شبے میں بے گناہ موت کے گھاٹ اتار دی جاتی ہے:

> ..."پنڈ دے اک گھبرو باغ علی نے اپنی جوان بھین مار دتی۔ اوہنے اپنی بھین نوں پنڈ دے نال ای گڈے ہوئے کماد وچوں نکلدیاں ویکھیا۔ تھوڑے چر پچھوں کماد دی دوجی نکر وچوں پنڈ دا اک ہور بندا نکلیا۔ باغ علی نے ڈھاان ڈھا کر دتا تے سوچیا کہ ایہہ بندا اوی، ضرورت پاروں کماد وچ وڑیا ہووے گا... باغ علی نے کجھ ویکھیا نہ سوچیا نہ کسے کولوں پچھیا نہ دسیا۔ گھر آ کے ٹوکے نال بھین دا گاٹا لاہ دتا..."(۶)

دیہاتوں میں بھی مرد گھر کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے لامحدود اختیار کا مالک ہوتا ہے۔ عورت محکوم کی مانند اپنی پسند و ناپسند کے اظہار کا اختیار نہیں رکھتی۔ مرد کی مقلد و پیروکار ہونے کی وجہ سے اس کی امتیازی شناخت ممکن نہیں ہے۔ وہ ماں بہن بیٹی اور بیوی جیسے سماجی بندھنوں کی وجہ سے دیہی معاشرے کے متعین اقدار اصول اور قاعدوں کے سامنے سر جھکانے پر مجبور رہے۔ دیہی عورت کی کم تر سماجی اور معاشرتی حیثیت متعین کرنے میں تہذیبی و ثقافتی عوامل بھی شامل ہیں لیکن دیہات کی یہی مظلوم و مقہور عورت مسائل پیدا کرنے کی وجہ بھی ہے۔ اس کی بے وفائی "رَن گھوڑا تے تلوار کی "جیتو" اور "رنڈی کی بھابی" کی صورت مردوں کے مابین اختلافات کا باعث بنتی ہے۔

دیہاتی زندگی میں جاگیر دارانہ نظام بگاڑ اور خرابی کی اہم ترین وجہ ہے۔ زمین دار، چودھری، وڈیرے، نمبردار اور جاگیر دار اپنی وسیع اراضی اور اختیارات کی بدولت غریب عوام کو رعایا تصور کرتے ہیں۔ چونکہ وسیع و عریض زمینوں کے یہ مالک مزارعوں کسانوں اور کمیوں کو ملکیت سمجھتے ہیں اس لیے حاکم اعلیٰ کی حیثیت رکھتے ہیں جن کے سامنے دست بستہ کھڑے ہاری، کسانوں اور مزارعوں کو حکم عدولی کی کڑی سزائیں ملتی ہیں۔ جاگیر داروں کا ظلم و ستم پر مبنی یہ نظام آج بھی کم و بیش اسی طرح قائم ہے جیسے ماضی میں تھا۔

نچلے طبقے کے لاینحل مسائل کے ذمہ دار اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں جو معاش کے ہاتھوں مجبور طبقے کے استحصال میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ اس مکروہ نظام میں غریب کی عزت نفس کی کوئی اہمیت نہیں

ہے۔اس کے جذباتی المیوں اور ذہنی کرب سے کسی کو سروکار نہیں:

"اوئے ڈوم دیا پترا! تیری ایہہ مجال جے ہک توں بنا پچھیاں کُکّی تے چڑھیں تے اتوں ایہدیاں انج دھوڑاں پٹیں۔ جا اکھیوں دور ہو۔ کتا، ڈوم..."(۷)

دیہی علاقوں میں مسائل کے لامتناہی سلسلوں کی کڑیاں باہم جڑی ہوئی ہیں۔ پشت ہا پشت اور نسل در نسل غربت کی چکی میں پسنے والوں کے لیے اپنی عزت و غیرت کی حفاظت کرنا بھی ایک اہم مسئلہ ہے۔ غریب کے گھر میں خوبرو اور حسین عورتوں کا حسن بھی ایک جرم ہے ایسی عورتوں کے لیے جاگیر دار، وڈیرے اور زمین دار اپنے لمحاتِ زندگی کو رنگین کرنے کے لیے مالک ہونے کا حق استعمال کرتے ہیں۔

"نکی سرکار! سلام آہنی آں۔ مینڈا ابیو تے گھر کائی ناں۔ کس نوں ملسو؟ نکی سرکار ہس پئی... بکھو! ہیں تے تویں مسلن پر ہیں چون... مینڈے نال چلیں... تینڈے پیو نوں پولیس پھڑ کے لے گئی اے۔ اوہندے تے قتل دا الزام اے... تینڈے پیو مینوں تکید کیتی سانے جو بکھو نوں پنڈے آنویں اوندی ماں گھر نئیں"(۸)

دیہی معاشرے میں عرصہ دراز سے نچلا طبقہ اعلیٰ طبقے کے ہاتھوں استحصال کا شکار ہوتا آیا ہے لیکن ان کا پُرسان حال کوئی نہیں۔ زمانے کی ترقی کے باوجود دیہاتی ماحول میں زیادہ تبدیلی نہیں آئی۔ جاگیر داروں اور زمین داروں کے ظلم و استبداد، طاقت اور جبر کے نتیجے میں دہقانوں کی اقتصادی بدحالی، ناداری اور مفلسی بر قرار ہے تمام وسائل پر قابض زمین دار دیگر انسانوں کو کیڑوں مکوڑوں کی مانند حقیر سمجھتا ہے:

"ڈیرے وچ تخت پوش اُتے آدم بو، آدم بو کردا اک دیو بیٹھا رہندا سی۔ لوکی اوہنوں "وڈا ملک" آکھدے سن... اوہدے سامنے جا کے ہاتھی چوہا تے مجھ جوں بن جاندی... جیہنوں چاہوندا، جدوں چاہوندا بلا لیندا۔ کی کاری تے اوہناں دے منڈے وگار وچ پھڑے رہندے۔ انکار دی کسے نوں نہ ہمت پیندی۔ کوئی چوں چراں کردا تے لتر مار مار لے کھل لاہ دیندا۔"(۹)

دیہی معاشرے کا اہم ترین مسئلہ طبقاتی تفاوت ہے۔ جہاں کمی کمین، نائی، موچی، تیلی، مزارعے، کسان اور لوہار چند اناج کی بوریوں کے عوض دل و جان سے حق خدمت ادا کرتے ہیں لیکن اعلیٰ طبقے کے برابر بیٹھنے یا ان سے کسی بھی قسم کے سماجی روابط کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ طبقاتی تفاوت کے نتیجے میں "عارف خان" جیسا وڈیرے کا بیٹا

نائی کی بیٹی "شمیم" عرف شمو سے شادی کرلیتا ہے تو موت کی گھاٹ اُتار دیا جاتا ہے۔ نچلے طبقے سے تعلق رکھنے والے دیہاتی کٹھ پتلیوں کی طرح مالکوں کے اشارے پر ناچتے ہیں۔ حکم سے انکار کی صورت میں انھیں اس طرح خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے:

> "پر اُہن پیرو کیہ کردا؟ مزارع بن جاندا۔ اوّلاں تاں اوہنوں کم نہیں سی آوندا فیر زمین تاں اوسے زمیندار دی سگی۔ نال دے پنڈ والا زمین دار وی اوہنوں رکھن واسطے تیار نہیں سی۔ سارے زمیناں والے آپس وچ رلے ہوئے ہوندے نیں۔ اک دوجے دے کڈھے ہوئے بندے نوں تھاں نہیں دیندے۔" (۱۰)

دیہاتوں میں بسنے والوں کا ایک اہم مسئلہ غیرت اور انا کے نام پر قتل و غارت گری ہے۔ غیرت ان کی بنیادی صفت ہے۔ ماضی کی طرح دیہاتوں میں آج بھی غیرت کے نام پر قتل کر دینے اور قتل ہو جانے کا سلسلہ جاری ہے۔ طویل دشمنیوں اور کشیدہ تعلقات کی کئی وجوہات ہوتی ہیں۔ دیہی لوگ عورت کی لاج اور اپنی عزت و ناموس کے لیے ظلم و بربریت اور سفاکی کی کسی بھی انتہا کو چھو سکتے ہیں۔ زمین اور زر کے لیے کٹ مر جاتے ہیں۔ بسا اوقات پنچایتوں، چوپالوں اور بیٹھکوں میں فیصلے کرنے کی بجائے، ڈانگ، سوٹے، کلہاڑیاں، کہیاں، بلم، برچھیاں اور گولیاں چلتی ہیں:

> "بڈھے پنڈ والے دی کوڈی کھیڈیاں لڑائی ہو پئی۔ کوڈی دا اینویں بہانہ بن گیا۔ وچلی گل ضرور سی... لڑائی مکھن تے کرتارے دی سی پر ودھدی ودھدی نویں پنڈ تے بڈھے پنڈ دی لڑائی بن گئی۔ لڑائی مچ پئی تے چھویاں دے کل وی ٹٹے تے بلماں دی پھل وی ڈنگے ہوئے... ایہہ گل صرف نورے کھرل نوں پتہ سی۔ لڑائی دی وجہ سی تے اوہ سی جیتو۔ بڈھے پنڈ والی۔" (۱۱)

معمولی سی معمولی رنجش کا بدلہ دوسرے فریق کو موت کے گھاٹ اُتار کر لیا جاتا ہے۔ مثال دیکھیے:

> "رات نوں پانی دی واری توں نظام داسیماں دے چاچے نال چھوٹا جہیا پنگا پیا تے لہو پانی اک ہو گیا۔ غلامو تے اوہدیاں منڈیاں کہی دے دوہی وار کر کے نظام نُوں پار کر دتا۔"(۱۲)

دیہات کے مختلف النوع مسائل میں سے ایک وٹے سٹے کی شادی، شادیوں پر بے جا رسم و رواج کی

پابندی لڑکیوں کی خرید و فروخت اور ذات پات کا نظام بھی ہے۔ وٹے سٹے کی شادیوں کے بُرے اثرات کے حوالے سے ایک مثال دیکھیے:

"سلامتے نوں اوہدے خاوند نے صرف ایس واسطے طلاق دے دتی کہ سلامتے دا بھرا
اوہدے خاوند دی بھین نال شادی کرن لئی تیار نہ ہویا۔"(۱۳)

آج بھی دیہاتوں میں بھی لڑکی کی پیدائش پر خوش ہونے کی بجائے اسے عورت کا ایک جرم سمجھا جاتا ہے۔ دیہاتوں میں بالخصوص یہ خیال عام ہے کہ بیٹا باپ کا بازو ہوتا ہے۔ اس کے جنازے کو کندھا دیتا اور اس کے لڑائی جھگڑے نمٹانے میں قدم بہ قدم ساتھ دیتا ہے۔ جب کہ بیٹی ایسی ذمہ داری ہوتی ہے جو باپ کے کندھے جھکا دیتی ہے۔ دیہاتی عورت کا ایک اہم مسئلہ کم سنی میں شادی ہے جو آج بھی برقرار ہے۔ لڑکیاں ذہنی طور پر شادی قابل ہوں یا نہ ہوں ان کے برابر اور جوڑ کا رشتہ موجود ہو یا نہ ہو۔ انھیں بوجھ سمجھ کر اتار دیا جاتا ہے۔

دیہی معاشرے میں عام زندگی کی طرح شادی بیاہ کی رسم و رواج کی پیروی کس حد تک لازم ہے مثال دیکھیے:

"اوئے صادقو! لاگ منگ...... دھی تیرا مال اے...... چودھری دے صلاح کاراں
اوہنوں موڈھے توں پھڑ کے بٹھا دیتا... اوئے آون دے... صادقو دے ایس فیصلے تے
سوہریاں ولوں آئے پروہنے ڈاڈھے خوش ہوئے۔ اوہناں نوں پلی پلائی بیٹا مفتو مفت
مل رہی سی... گھٹو گھٹ ہزار رباراں سو دی بحث دکھائی دے رہی سی۔"(۱۴)

شہروں کے برعکس دیہاتوں میں طبی سہولیات کا فقدان ہے۔ آج بھی اس اہم ترین مسئلے پر توجہ نہیں دی جا رہی۔ جاہل اور اَن پڑھ دائیاں زچہ اور بچہ کی زندگی خطرے میں ڈالتی ہیں نیز دیہات کی مخصوص سماجی اقدار کے پیش نظر شہروں اور اسپتالوں میں لے جانے سے گریز کیا جاتا ہے۔ عام بیماریوں کی صورت میں ادویات کی عدم دستیابی اور ڈاکٹر کی عدم موجودگی مریض کو موت کے کنویں میں دھکیل دیتی ہے۔ پنجابی افسانوں میں اسی اہم مسئلے کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے:

..."جدوں پیدائش دا وقت آیا تے تائی بڑی بیمار ہو گئی اینی بیمار کہ دائی نے جواب دے
دتا پئی اہنوں شہر ہسپتال لے جاؤ۔ پر وڈے شاہ جی بھلا کیویں مندے۔ سیداں دِیاں

بیبیاں گھروں باہر نہیں جاندیاں ہوندیاں تے فیر اوہ وی ایس حالت وچ... جند تے رب دی امانت اے۔ شاہ جی نے ایہہ فیصلہ دتا۔"(۱۵)

دیہات کے حل طلب مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ تعلیم سے دوری اور تعلیمی سہولیات کا فقدان ہے۔ دیہی سماجی ڈھانچے میں امیر امیر تر اور غریب غریب تر رہتا ہے۔ امیر طبقے سے تعلق رکھنے والے وڈیروں جاگیرداروں کی شان اس وقت بڑھتی ہے جب ان کی اولاد ولایت سے تعلیم حاصل کر کے آتی ہے اور غربت اور بھوک کے ہاتھوں پریشان افلاس زدہ طبقہ جسم و جاں کا رشتہ قائم رکھنے کی تگ و دو میں مصروف رہتا ہے اس لیے تعلیم کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھنے والے اس لیے اس طرف توجہ نہیں دیتے کہ تعلیم اور شعور کے نتیجے میں حقوق سے آگہی لوگوں کو ان کے برابر لا کھڑا کرے گا۔

دیہاتی معاشرے کا ایک اہم مسئلہ ضعیف الاعتقادی اور جعلی پیروں فقیروں پر اندھا اعتماد ہے۔ یہ حساس سماجی مسئلہ روحانی اور اخلاقی بگاڑ پیدا کرنے کا باعث ہے۔ دیہاتی معاشرے میں توہم پرستی کے نتیجے میں کئی مسائل جنم لیتے ہیں۔ جہالت میں ڈوبے اور کم پڑھے لکھے لوگوں کا پیروں فقیروں پر اعتقاد جانوروں کے حوالے سے بھی ہے۔ ان کے نزدیک انسانوں کے ساتھ جانوروں کو بھی دم درود سے افاقہ ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ بیماریوں سے محفوظ رہنے اور ردِّ بلا کے لیے شاہوں کی دعا لینا ضروری ہے۔

پیر جی اور "سرکار" صاحب کے معتقد عقل سے عاری وہ لوگ ہیں جو معجزوں کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ یہ مذہب کی آڑ میں روحانیت کا ڈرامہ رچاتے اور اپنے ظاہری انداز و اطوار اور جاہ جلال سے سادہ لوح لوگوں کو مرعوب کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

"پیر جی گھروں سالانہ دورے تے نکلے سن اوہ ہر سال اپنے مریداں دے گھر جاندے سن نیازاں وصول کر دے تے تعویذ دھاگے دیندے سن... اصل گل ایہہ سی پئی شاہ جی نوں نہ شریعت دا پتہ سی نہ طریقت دا۔ تے نہ ای معرفت دا۔ تعلیمی اعتبار نال اوہ دو جی جماعت پاس سن۔ اوہناں اکڑ بکڑ قسم دیاں چیزاں یاد کیتیاں ہوئیاں سن۔ جہناں نوں اوہ تاپ توں لے کے جادو ٹونے تک ورت دے سن۔"(۱۶)

دیہاتوں میں ترقی کی رفتار ست ہے۔ سندھ کے دیہاتوں کے وڈیرے ہوں یا پنجاب سے تعلق رکھنے والے چودھری، ملک، جیسے اور ورک، مخدوم کھچی، ٹوانے، کھر اور خاک وانی ان کو اپنے سیاسی استحکام کی فکر دامن گیر

رہتی ہے۔

الیکشن بھی وراثتی بنیادوں پر ہوتے ہیں۔ سیاسی پارٹیوں کے ووٹر بکاؤ اور سیٹیں طے شدہ ہوتی ہیں۔ الیکشن کے دنوں میں غریبوں کی شنوائی ہوتی ہے تاکہ ان پس ماندہ علاقوں میں عہد دیرینہ کی پابندی کرائی جاسکے۔ نسل در نسل اور خاندانی وفاداریاں نبھائی جائیں۔ اپنا ووٹ بینک مضبوط کرنے کے لیے سیاست دانوں کی خود غرضی قابل دید ہوتی ہے۔ غریب عوام کو سیاسی مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

ایوانِ اقتدار میں بیٹھنے والے یہ لوگ جب دیہاتوں میں ووٹ مانگنے جاتے ہیں تو کھوکھلے نعرے لگاتے ہیں۔ دیہاتیوں کو چکنی چپڑی باتوں اور دعوؤں سے شیشے میں اتارتے ہیں لیکن ہر الیکشن کے بعد عملی طور پر دیہی لوگوں کے مسائل جوں کے توں رہتے ہیں۔ یہ مفاد پرست دیہاتوں کی پس ماندگی کو خوش حالی میں تبدیل کرنے کے خواہاں ہی نہیں ہیں۔ اس کے برعکس دیہی عوام اپنی پارٹی کے اُمیدواروں کی تائید اور حمایت کی وجہ سے آپس میں گتھم گتھا ہوتے رہتے ہیں۔

دیہاتی معاشرے میں ملّا بھی روزی روٹی کے مسئلے کا شکار ہے۔ دیہی سماج میں ملّا غیر ضروری رسموں، بدعات اور توہمات کا خاتمہ چاہے بھی تو ملّا۔ اُس کے لیے ممکن نہیں۔ منشا یاد کے افسانہ ''لیر اں'' کا مولوی دینی و اخلاقی تعلیم حاصل کر کے باعمل مُلا بننا چاہتا ہے لیکن بالآخر ہتھیار پھینک کر اسی سسٹم کا حصہ بن جاتا ہے۔

بحیثیت مجموعی یہ کہا جاسکتا ہے کہ پنجابی افسانہ نگاروں نے کم و بیش وہ تمام ٹھوس زمینی حقائق جو دیہاتوں کے حسن میں کمی یا اضافے کا باعث بنتے ہیں کو موضوع بنایا ہے۔ دیہاتی ماحول و معاشرت، تہذیب و ثقافت، اخلاقیات، کھیتوں میں پلنے والے رومانوں کے قصّے اور مسائل عمدگی سے افسانہ نگاروں کی تخلیقی کاوشوں کا حصّہ بنے ہیں۔ دیہات کی مثبت اور منفی روایات و اقدار کے درمیان چپّے چپّے پر بکھری یہ کہانیاں دیہات کی مکمل تصویر پیش کرتی ہیں۔

## حوالہ جات


۱۔ حنیف چودھری "افسانہ" مشمولہ پنجابی زبان و ادب کی مختصر تاریخ (مرتب) ڈاکٹر انعام الحق جاوید۔ اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۷ء، ص۱۸۷

۲۔ شناور چدّھڑ۔ سواری تے سوانی مشمولہ جویں تُوں جویں میں۔ لاہور: سچیت گھر، ۲۰۰۱ء، ص۶۰،۶۱

۳۔ نزہت گردیزی۔ پچھان مشمولہ کُلجگ۔ لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۱۹۸۹ء، ص۵۱

۴۔ افضل احسن رندھاوا۔ پٹھیاں پیراں والی مشمولہ مناکوہ لہور۔ لاہور: پاکستانی پنجابی ادبی بورڈ، ۱۹۸۹ء

۵۔ نواز۔ شیریادے شیریا مشمولہ ڈونگھیاں شاماں۔ لاہور: پاکستانی پنجابی ادبی بورڈ، ص۷۸

۶۔ علی انور احمد۔ بے صفتی مشمولہ فرشتیاں دا پنڈ۔ لاہور: پنجابی مرکز، ۲۰۰۶، ص ۷۲-۷۳

۷۔ ناصر بلوچ۔ کلّی دا سوار مشمولہ چونویں کہانی (۱۹۶۰ توں ۱۹۸۵ تائیں) مرتب سجاد حیدر۔ لاہور: پاکستانی پنجابی ادبی بورڈ، ۱۹۸۶ء، ص۳۵۸

۸۔ فرخندہ لودھی۔ اک چُپ مشمولہ چنّے دے اوہلے۔ لاہور: پاکستانی پنجابی بورڈ، ۱۹۸۴ء، ص ۴۰-۴۱

۹۔ منشایاد۔ لیراں مشمولہ وگدا پانی۔ لاہور: پاکستانی پنجابی ادبی بورڈ، ۱۹۸۷، ص۱۳۶

۱۰۔ افضل توصیف۔ مائی اناراں والی مشمولہ ٹاہلی میرے بچڑے۔ لاہور: نگارشات، ۱۹۸۸ء، ص۲۰۱

۱۱۔ افضل احسن رندھاوا۔ رن تلوار تے گھوڑا مشمولہ رن تلوار تے گھوڑا۔ فیصل آباد: ممتاز کنول (دوجی وار) ۱۹۸۱ء، ص۱۶-۱۷

۱۲۔ امین ملک۔ عقل داڑ مشمولہ گونگی تریہ۔ لاہور: ادارہ پنجابی زبان تے ثقافت، ۲۰۰۰ء، ص۳۱

۱۳۔ حسین شاد۔ موم بتی مشمولہ شہر تے سفنے۔ لاہور: بزم فقیر پاکستان، ۲۰۰۵ء، ص۱۳۴

۱۴۔ فرخندہ لودھی۔ مُختو مشمولہ ہردے وچ تریڑاں۔ لاہور: پاکستانی پنجابی ادبی بورڈ۔ ۱۹۹۵ء، ص۱۰۴

۱۵۔ نزہت گردیزی۔ کالے پینڈے مشمولہ کلجگ، ص۹۶

۱۶۔ سلیم خان گمّی۔ پانی دے پہاڑ مشمولہ لہو دی خوشبو۔ لاہور: پنجابی ادبی بورڈ، ۱۹۷۳ء، ص ۷۴-۷۵